85

قسطوں کے کاروبار کا حکم

مفتیان و علماء کرام و مشائخ عظام! قسطوں کے کاروبار کا کیا حکم ہے؟
جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

الجواب بعون الوہاب وھو الموفق للصواب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ أَمَّا بَعْدُ!

اگرچہ قسطوں پر خرید وفروخت کے مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے مگر اکثر محققین اور کبار علماء کے نزدیک قسطوں پر خرید وفروخت چند شروط کے ساتھ جائز ہے۔ لیکن یہ معاملہ غلط ہے کہ اگر کسی ایک قسط میں دیر ہو جائے تو اس کی باقی اقساط ضبط کر لی جائیں یا مدت بڑھا کر ان میں مزید اضافہ کر دیا جائے ایسا کرنا سراسر زیادتی اور ظلم کے ساتھ ساتھ صریح سود ہے۔

واضح رہے کہ صورت مسئولہ کا تعلق مالی معاملات سے ہے، مالی معاملات کے متعلق ارشاد باری تعالی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾

”ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے مت کھاؤ مگر یہ کہ کوئی مال

رضامندانہ تجارت کی راہ سے حاصل جائے۔‘‘[1]

باطل طریقہ سے مراد لین دین، کاروبار اور تجارت کے وہ طریقے ہیں جن میں فریقین کی حقیقی رضامندی یکساں طور پر نہیں پائی جاتی بلکہ اس میں ایک فریق کا تو مفاد محفوظ رہتا ہے جبکہ دوسرا غرر یا ضرر کا ہدف بنتا ہے۔ اگر کسی معاملہ میں دھوکہ پایا گیا یا اس میں ایک فریق کی بے بسی اور مجبوری کو دخل ہو تو اگرچہ وہ بظاہر اس پر راضی بھی ہوں تاہم شریعت کی رو سے یہ باطل طریقے ہیں۔ جنہیں شریعت نے ناجائز ٹھہرایا ہے اس لیے لین دین اور باہمی تجارت نہ تو کسی ناجائز دباؤ سے ہو اور نہ ہی اس میں فریب اور ضرر کو دخل ہو اگرچہ خرید و فروخت کی حلت قرآنی نص سے ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾

’’اور اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔‘‘[1]

لیکن ہر قسم کی خرید و فروخت حلال نہیں ہے۔ بلکہ مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔

1. فریقین باہمی رضامندی سے سودا کریں۔
2. خرید کردہ اشیا، اور ان کا معاوضہ مجہول نہ ہو۔
3. قابل فروخت چیز فروخت کنندہ کی ملکیت ہو اور وہ اسے خریدار کے حوالے کرنے پر قادر ہو۔
4. فروخت کردہ چیز میں کسی قسم کا عیب چھپا ہوا نہ ہو۔
5. خرید و فروخت کسی حرام چیز کی نہ ہو اور نہ ہی اس میں سود وغیرہ کو بطور حیلہ جائز قرار دیا گیا ہو۔
6. اس خرید و فروخت میں کسی فریق کو دھوکہ دینا مقصود نہ ہو۔
7. اس تجارتی لین دین میں حق رجوع کو برقرار رکھا گیا ہو۔

کتب حدیث میں خرید و فروخت کی تقریباً 30 اقسام کو انہی وجہ سے حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ پھر عام طور پر خرید و فروخت کی دو قسمیں ہیں: 1 نقد 2 ادھار

نقد یہ ہے کہ چیز اور اس کا معاوضہ فوراً حوالے کر دیا جائے پھر معاوضہ کے لحاظ سے اس کی مزید دو اقسام ہیں:

[1] سورۃ النساء:29. [2] سورۃ البقرۃ:275.

1 معاوضہ نقدی کی صورت میں ہو۔ 2 معاوضہ جنس کی صورت میں ہو۔

جہاں معاوضہ جنس کی صورت میں ہو اس کی دو صورتیں ہیں:

1 حرام 2 جائز

حرام یہ ہے کہ ایک ہی جنس کی خرید وفروخت میں ایک طرف سے کچھ اضافہ ہو جیسا کہ ایک تولہ سونا دے کر دو تولے سونا لینا ایک کلو کھجور کے بدلے دو کلو کھجور لینا وغیرہ۔

جائز یہ ہے کہ مختلف اجناس کی خرید وفروخت کرتے وقت کسی ایک طرف سے کچھ اضافہ کے ساتھ وصولی کرنا مثلاً ایک من گندم کے عوض دو من جو لینا، لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ سودا نقد ہو۔

خرید وفروخت کے ادھار ہونے کی صورت میں بھی اس کی کئی اقسام ہیں: مثلاً

1 چیز اور اس کا معاوضہ دونوں ہی ادھار ہوں، ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ فقہی اصطلاح میں اسے بیع الکالی کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ المَدِينَةَ وَهُمْ يُسْلِفُونَ بِالتَّمْرِ السَّنَتَيْنِ وَالثَّلَاثَ، فَقَالَ: مَنْ أَسْلَفَ فِي شَيْءٍ، فَفِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ، وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ، إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ

”سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ کھجور میں دو اور تین سال تک کے لیے بیع سلم کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں ہدایت فرمائی کہ جسے کسی چیز کی بیع سلم کرنی ہے، اسے مقررہ وزن اور مقررہ مدت کے لیے ٹھہرا کر کرے۔“[1]

2 اگر دونوں میں سے ایک نقد اور دوسری ادھار ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں:

① معاوضہ نقدی کی صورت میں پہلے ادا کر دیا جائے لیکن بیع یعنی فروخت کردہ جنس بعد میں حوالہ کرنا ہو اسے بیع سلم یا سلف کہا جاتا ہے اس کی شرعاً اجازت ہے بشرطیکہ: (ا) جنس کی مقدار اور اس کا بھاؤ پہلے سے طے شدہ ہو (ب) جنس کی ادائیگی کا وقت بھی متعین ہو۔

② بیع یعنی فروخت کردہ چیز پہلے وصولی کر لی جائے لیکن معاوضہ کی ادائیگی ادھار ہو، یہ بھی جائز ہے

[1] صحيح البخاري، كتاب السلم، بَابُ السَّلَمِ فِي وَزْنٍ مَعْلُومٍ، حديث:2240

کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی عمر کے آخری دور میں ایک یہودی سے آئندہ قیمت کی ادائیگی پر کچھ جو لیے تھے۔

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّهُ مَشَى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخُبْزِ شَعِيرٍ، وَإِهَالَةٍ سَنِخَةٍ، وَلَقَدْ رَهَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِرْعًا لَهُ بِالْمَدِينَةِ عِنْدَ يَهُودِيٍّ، وَأَخَذَ مِنْهُ شَعِيرًا لِأَهْلِهِ

”سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جو کی روٹی اور بدبودار چربی (سالن کے طور پر) لے گئے۔ آنحضرت ﷺ نے اس وقت اپنی زرہ مدینہ میں ایک یہودی کے یہاں گروی رکھی تھی اور اس سے اپنے گھر والوں کے لیے قرض لیا تھا۔“[1]

اسے بیع نسیئہ کہتے ہیں اس بیع کی دو صورتیں ہیں:

1 فروخت کردہ چیز کا بھاؤ ایک ہو خواہ نقد یا ادھار، اس کے جواز میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

2 فروخت شدہ چیز کے نقد اور ادھار کے دو بھاؤ ہوں اس کے جواز یا عدم جواز کے متعلق علما کا اختلاف ہے، صورت مسئولہ میں بھی اسی کو بیان کیا گیا ہے، اس کے متعلق ہم نے کچھ گزارشات پیش کرنی ہیں لیکن ان گزارشات سے پہلے دو اصولی باتیں گوش گزار کرنا ضروری خیال کرتے ہیں:

1 معاملات اور عبادات میں فرق یہ ہے کہ عبادات میں اصل حرمت ہے الا یہ کہ شریعت نے اس کی بجا آوری کا حکم دیا ہو جبکہ معاملات میں اصل اباحت ہے الا یہ کہ شریعت نے کسی کے متعلق حکم امتناعی دیا ہو۔ صورت مسئولہ کا تعلق معاملات سے ہے اس کے متعلق ہم نے حکم امتناعی تلاش کرنا ہے۔ بصورت دیگر یہ حلال اور جائز ہے۔

2 کسی چیز کا بھاؤ متعین کر دینا شرعاً جائز نہیں ہے رسول اللہ ﷺ کو اہل مدینہ نے اشیاء کے بھاؤ متعین کر دینے کے متعلق عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ، الْبَاسِطُ الرَّزَّاقُ، إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَلْقَى اللهَ، وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْكُمْ يَطْلُبُنِي بِمَظْلَمَةٍ فِي دَمٍ، وَلَا مَالٍ»

[1] صحيح البخاري، كتاب البيوع، بَابُ شِرَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّسِيئَةِ، حديث:2069

’’کہ اللہ تعالی ہی خالق اور اتار چڑھاؤ کا مالک ہے نیز وہ تمام مخلوق کا رازق ہے میں نہیں چاہتا کہ قیامت کے دن میرے ذمے کسی کا کوئی حق ہو۔‘‘ [1]

اسے شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

اس بنا پر اشیاء کی قیمتیں توقیفی نہیں ہیں کہ ان میں کمی بیشی نہ ہوسکتی ہو نیز کسی چیز کا نفع لینے کی شرح کیا ہو؟اس کے متعلق بھی شریعت کا کوئی ضابطہ نہیں ہے بعض صحابہ کرام سے ایسے واقعات بھی منقول ہیں کہ انہوں نے قیمت خرید پر دوگنا نفع وصول کیا۔

عَنْ عُرْوَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَعْطَاهُ دِينَارًا يَشْتَرِي لَهُ بِهِ شَاةً، فَاشْتَرَى لَهُ بِهِ شَاتَيْنِ، فَبَاعَ إِحْدَاهُمَا بِدِينَارٍ، وَجَاءَهُ بِدِينَارٍ وَشَاةٍ، فَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ فِي بَيْعِهِ، وَكَانَ لَوِ اشْتَرَى التُّرَابَ لَرَبِحَ فِيهِ.

’’سیدنا عروہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں ایک دینار دیا کہ وہ اس کی ایک بکری خرید کرلے آئیں۔انہوں نے اس دینار سے دو بکریاں خریدیں، پھر ایک بکری کو ایک دینار میں بیچ کر دینار بھی واپس کردیا ۔ اور بکری بھی پیش کردی۔آنحضرت ﷺ نے اس پر ان کی تجارت میں برکت کی دعا فرمائی۔پھر تو ان کا یہ حال ہوا کہ اگر مٹی بھی خریدتے تو اس میں انہیں نفع ہوجاتا۔‘‘ [2]

صورت مسئولہ یوں ہے کہ ایک دکاندار اپنی اشیاء بایں طور فروخت کرتا ہے کہ نقد ادائیگی کی شکل میں ایک چیز کی قیمت 300 روپے ہے لیکن وہی چیز ایک سال کے ادھار پر 400 میں اور دو سال کے ادھار پر 500 روپے میں فروخت کرتا ہے۔ادھار کی شکل میں خریدار کو اختیار ہے کہ دو سال کے اختتام پر واجب الادا رقم یکمشت ادا کر دے یا حسب معاہدہ اس رقم کو بالاقساط ادا کرے، موجودہ دور میں قسطوں پر اشیائے ضرورت بیچنے کا رواج تمام اسلامی ممالک میں عام ہو چکا ہے اور بہت سے لوگ اپنی ضرورت کی اشیاء صرف قسطوں پر خرید سکتے ہیں اور نقد خرید نا انکی طاقت سے باہر ہوتا ہے واضح رہے کہ قسطوں کی صورت میں ایک چیز کی قیمت بازاری قیمت سے زیادہ مقرر کی جاتی ہے بعض علما زیادتی کو ناجائز کہتے ہیں

[1] سنن أبي داؤد، كتاب الإجارة، باب في التسعير، حديث:3453. [2] صحيح البخاري، كتاب المناقب، بَابُ سُؤَالِ المُشْرِكِينَ أَنْ يُرِيَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ آيَةً، فَأَرَاهُمْ انْشِقَاقَ القَمَرِ، حديث:3642.

کیوں کہ ثمن کی یہ زیادتی ''مدت'' کے عوض میں ہے اور جو ثمن ''مدت'' کے عوض میں ہو وہ سود ہے جسے شریعت نے حرام کہا ہے۔ علامہ شوکانی نے زین العابدین علی بن حسین ، ناصر، ہادویہ کا یہی مسلک نقل کیا ہے لیکن ائمہ اربعہ جمہور فقہاء اور محدثین کا مسلک یہ ہے کہ خرید وفروخت کے عمومی دلائل کے پیش نظر ادھار بیع میں نقد کے مقابلہ میں قیمت زیادہ کرنا جائز ہے ۔ بشرطیکہ خریدار اور فروخت کنندہ ادھار یا نقد قطعی فیصلہ کر کے کسی ایک قیمت پر متفق ہو جائیں۔ [1]

لہٰذا اگر بائع یہ کہے کہ میں یہ چیز نقدا اتنے میں اور ادھارا اتنے میں فروخت کرتا ہوں ، اس کے بعد کسی ایک بھاؤ پر اتفاق کے بغیر دونوں جدا ہو جائیں جہالت ثمن کی وجہ سے یہ بیع نا جائز ہے لیکن اگر عاقدین مجلس عقد میں ہی کسی ایک شق اور کسی ایک ثمن پر اتفاق کر لیں تو بیع جائز ہو جائے گی چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ جامع ترمذی میں لکھتے ہیں:

وَقَدْ فَسَّرَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ قَالُوا: بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ أَنْ يَقُولَ: أَبِيعُكَ هَذَا الثَّوْبَ بِنَقْدٍ بِعَشَرَةٍ، وَبِنَسِيئَةٍ بِعِشْرِينَ، وَلَا يُفَارِقُهُ عَلَى أَحَدِ البَيْعَيْنِ، فَإِذَا فَارَقَهُ عَلَى أَحَدِهِمَا فَلَا بَأْسَ إِذَا كَانَتِ العُقْدَةُ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمَا.

''بعض اہل علم نے حدیث (بیعتین فی بیعۃ) کی تشریح بایں الفاظ کی کہ بائع مشتری سے کہے کہ میں یہ کپڑا تمہیں نقد دس اور ادھار بیس روپے میں فروخت کرتا ہوں اور پھر کسی ایک بیع پر اتفاق کر کے جدائی نہیں ہوئی لیکن اگر ان دونوں میں سے کسی ایک پر اتفاق ہونے کے بعد جدائی ہوئی تو اس میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ معاملہ ایک پر طے ہو گیا ہے۔'' [2]

امام ترمذی رحمہ اللہ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ (بیعتین فی بیعۃ) کے نا جائز ہونے کی علت یہ ہے کہ عقد کے وقت کسی ایک صورت کی عدم تعین سے ثمن دو حالتوں میں متردد ہو جائے گی اور یہ تردد جہالت ثمن کو مستلزم ہے جس کی بنا پر نا جائز ہوئی ، مدت کے مقابلہ میں ثمن زیادتی ممانعت کا سبب نہیں لہٰذا اگر عقد

[1] نيل الاوطار: 5/ 172. [2] جامع الترمذی، كتاب البيوع، بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، حديث:1231.

کے وقت ہی کسی ایک حالت کی تعیین ہو جائے اور جہالت ثمن کی خرابی دور کر دی جائے تو پھر اس کے جواز میں شرعاً کوئی قباحت نہیں رہے گی ، کیوں کہ قرآن وحدیث میں اس بیع کے عدم جواز پر کوئی نص موجود نہیں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ معاملات کے متعلق فرماتے ہیں: ”جو معاملات انسان کو ضرورت کے طور پر پیش آتے ہیں وہ سب حلال اور جائز ہیں الا یہ کہ اس کی حرمت پر قرآن وحدیث میں کوئی واضح دلیل موجود ہو۔“ [1]

ہم نے آغاز میں جو ایک اصول بیان کیا تھا اسے ایک مرتبہ پھر نظر غائر دیکھ لیا جائے اور اس بیع میں جو ثمن کی زیادتی ہے اس پر ربا کی تعریف بھی صادق نہیں آتی کیوں کہ وہ قرض نہیں اور نہ ہی اموال ربویہ کی خرید وفروخت ہو رہی ہے بلکہ یہ عام بیع ہے اور اس عام بیع میں فروخت کنندہ کو شرعاً مکمل اختیار ہے کہ وہ اپنی چیز جتنی قیمت میں چاہے فروخت کرے اور اس کے لیے شرعاً یہ ضروری نہیں کہ وہ اپنی چیز کو بازار کے بھاؤ سے فروخت کرے اور قیمت کی تعین میں ہر تاجر کا اپنا ایک اصول اور انداز ہوتا ہے اس پر پابندی نہیں کہ وہ ایک متعین ریٹ پر اپنی اشیاء کو فروخت کرے اس سلسلہ میں ہمارا بیان کردہ دوسرا اصول پیش نظر رہنا چاہیے کہ بعض اوقات ایک ہی چیز کی قیمت حالات کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے اگر کوئی بائع اپنی چیز کی قیمت ایک حالت میں کچھ مقرر کرے اور دوسری حالت میں کوئی دوسری قیمت مقرر کر دے تو شریعت میں اس پر کوئی قدغن نہیں لگائی ،لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی چیز نقد آٹھ روپے میں اور ادھار دس روپے میں فروخت کرتا ہے تو اس شخص کے لیے بالاتفاق یہ جائز ہے کہ وہ اس چیز کو نقد دس روپے میں فروخت کر دے بشرطیکہ اس میں ضرر یا غرر (نقصان یا دھوکہ) نہ ہو اور جب دس روپے میں نقد فروخت کرنا جائز ہے تو ادھار دس روپے میں فروخت کرنا کیوں نا جائز ہوا۔

اب ہم قارئین کو اس حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ زیر نظر مسئلہ میں نقد کی نسبت سے ادھار قیمت میں یہ تفاوت کیا ہوا ادھار کا عوض ہے یا ادھار کی وجہ سے ہے؟ ان دونوں کے درمیان ما بہ الامتیاز کیا ہے تا کہ بذریعہ نص حرام اور نا جائز سود سے اس کا فرق ہو سکے، واضح رہے کہ ادھار کی وجہ سے قیمت میں یہ تفاوت ادھار کا معاوضہ نہیں ہے کیوں کہ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ اس ادھار کی قیمت میں کچھ قیمت تو بیع کی ہوا

[1] مجموع الفتاوی:28/386.

اور کچھ قیمت اس اجل کی ہو جو عاقدین نے قیمت کی ادائیگی کے لیے طے کی ہے۔ بلکہ معاشرتی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ادھار میں جو سہولت میسر آتی ہے اس کی وجہ سے کچھ اضافہ ہوا ہے۔ ہم آسانی کے پیش نظر اسے یوں تعبیر کرتے ہیں۔

اِنَّ الزِّیَادۃ ھٰھُنَا لِأَجلِ الأَجَل لَا لِعِوضِ الأَجَلِ.

یہاں پر قیمت میں اضافہ ادھار کی وجہ سے ہے ادھار کے عوض میں نہیں ہے۔ قرآن وحدیث میں اس قسم کی متعدد نظائر پائی جاتی ہیں جس میں ادھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی آتی ہے جنہیں ہم آئندہ بیان کریں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ اجل ایک وصف ہے اور وصف کا معاوضہ نہیں ہوتا لیکن وصف کے مرغوب ہونے کی وجہ سے قیمت بڑھ سکتی ہے اور وصف کے ناپسند ہونے کی وجہ سے قیمت کم ہو جاتی ہے اس کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو صاع کھجور کے عوض ایک صاع کھجور لینے کو ناجائز ٹھہرایا ہے، آپ نے اس کے متعلق مزید تاکید کی ہے کہ عمدہ کھجور کا بھی مقابلہ ہو تو برابر برابر لینا ہوگا۔ اس کے عمدہ ہونے کی صورت میں اضافہ نہ دے سکتے ہیں اور نہ ہی لے سکتے ہیں۔ بہترین کھجور کے ایک سیر کے بدلہ میں معمولی کھجور کے دو سیر دینے سے منع فرمادیا کیوں کہ اس میں سیر کے بدلے میں آ جا تا ہے اور دوسرا سیر اس کے وصف جودت (عمدگی) کے عوض میں لیا جاتا ہے جو کہ ناجائز ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کی تدبیر یوں فرمائی کہ ردی کھجور کو کم قیمت میں فروخت کر دو پھر حاصل ہونے والے زر ثمن سے بہتر کھجور کو زیادہ قیمت خرید سے خریدلو اس معاملہ میں بہتر کی قیمت میں اضافہ اس کے وصف مرغوب کی وجہ سے ہے۔ اس عقلی اور فطری بات سے کسی کو بھی انکار نہیں کہ مرغوب چیز کی قیمت بمقابلہ نامرغوب کے زیادہ ہوگی لیکن یہ صورت ناجائز ہے کہ ایک سیر بہتر کھجور کے بدلہ میں دو سیر معمولی کھجور دی جائے اس طرح یہ بھی ناجائز ہے کہ بہتر کھجور والے کو معمولی کھجور کا ایک سیر اور اس کے ساتھ ایک روپیہ دیا جائے کیوں کہ اس صورت یہ روپیہ یا دوسرا سیر وصف جودت (بہتری) کا عوض ثابت ہوگا اور وصف کا عوض لینا جائز نہیں ہے۔ لیکن بہتر کھجور کو عام نرخ سے زیادہ قیمت پر خریدنا بالکل جائز ہے کیوں کہ یہاں قیمت کا اضافہ اس کے وصف (عمدگی) کی وجہ سے اس وصف کا عوضانہ نہیں ہے۔

آپ نے ملتان سے لاہور جانے کا پروگرام بنایا ہے اس کے لیے عام گاڑی، اے سی اور ہوائی جہاز

تین ذرائع ہیں ان تینوں ذرائع کا کرایہ الگ الگ ہے یہ تفاوت ان ذرائع میں دی گئی سہولتوں کے پیش نظر ہے ایسا نہیں ہوتا کہ اصل کرایہ تو عام گاڑی کا ہے تو باقی جو کرایوں میں تفاوت ہے وہ ان سہولتوں کا عوض ہے ۔ جو آپ کو دی گئی ہیں اب آپ ادھار پر فروخت کی گی چیز کی مدت پر غور کریں کہ نفس اجل کا عوض لینا ناجائز ہے لیکن اس کی قیمت کا بڑھ جانا فطری اور عقلی بات ہے اور شریعت نے اس سے منع نہیں کیا اسی کو فقہائے اسلام نے یوں تعبیر کیا ہے :

"اِنَّ الأَجَلَ لَا يقابِلُهُ الثَّمَنُ إِنَّ الثَّمَنَ يُزَادُ لِأَجْلِ الأَجَلِ"

''ثمن اجل کا عوض نہیں ہوتی البتہ اجل کی وجہ سے اس میں اضافہ ہوسکتا ہے۔''

نفس اجل پر عوض لینے کی صورت یوں ہوسکتی ہے کہ ایک ماہ پر کسی چیز کا ادھار سودا ہوا کہ اس کی قیمت ایک ہزار روپیہ ایک ماہ پر ادا ہوگی ، جب خریدار نے ایک ماہ بعد اس کی قیمت ادا نہ کی تو اسے کہا جائے گا کہ آپ دوسرے ماہ کے اختتام پر اس کی قیمت ادا کر دیں لیکن ساتھ پچاس روپے اضافی طور پر دیں ۔ یہ صورت نا جائز ہے ۔ کیوں کہ اس میں اجل کو فروخت کیا گیا ہے اور پچاس روپے اس اجل کا عوض ہیں اس کے برعکس اجل ایک وصف مرغوب ہے کہ مشتری کو فوری طور پر رقم ادا نہیں کرنا پڑتی ، آسانی سے کام چلا لیتا ہے۔ اس لیے وہ چیز ادھار پر دینے کی وجہ سے اس کی قیمت میں اضافہ ہوگیا ۔ اس بیع مؤجل اور معاملہ سود میں فرق یہ ہے کہ سودی معاملہ میں اصل دَین (قرض) پر مہلت کے عوض اضافہ ہوتا ہے جبکہ بیع مؤجل میں مہلت کی وجہ سے بوقت عقد زیادہ قیمت طے کی جاتی ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ سودی معاملہ میں مدت کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس زیادتی میں اضافہ ہو جا تا ہے جبکہ بیع مؤجل میں ایک ہی دفعہ قیمت زیادہ لگائی جاتی ہے، بار بار ایسا نہیں کیا جا تا ہم اسے ایک مثال سے سمجھاتے ہیں:

اگر مشتری نے کوئی چیز دس روپے میں اس شرط پر خریدی کہ ایک ماہ بعد اس کی قیمت ادا کرے گا اگر وہ ایک ماہ کے بجائے دو ماہ میں قیمت ادا کرے تو بھی وہ دس روپے ہی ادا کرے گا ۔ اب مدت کی زیادتی کی وجہ سے قیمت میں زیادتی نہیں ہوگی ۔لیکن اگر بائع معاملہ طے ہونے کے بعد ایک ماہ کی تاخیر پر دو، پھر دو ماہ کی تاخیر پر چار اور اسی طرح تین ماہ کی تاخیر پر چھ روپے اصل طے شدہ رقم سے زیادہ وصول کرے تو یہ سود ہے جو کسی صورت میں جائز نہیں ہے ۔

قارئین کرام ! جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ زیر نظر مسئلہ یعنی نقد اور ادھار کے بھاؤ میں کمی بیشی

کرنا شرعاً جائز ہے۔ کیوں کہ یہ ادھار خرید وفروخت کی ہی ایک صورت ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے ۔ اور اس کے متعلق صریح نصوص موجود ہیں۔ تاہم ادھار کی بنا پر قیمت زیادہ وصول کرنا فکر ونظر اور غور وخوض کا متقاضی ہے کیوں کہ خرید وفروخت کی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں ادھار جائز نہیں ہے جیسا کہ سونے کے بدلے سونا یا گندم کے عوض جو لینا اسی طرح بعض صورتیں ایسی ہیں کہ کسی طرف سے اضافہ حرام ہے جیسا کہ چاندی کے بدلے چاندی کا کاروبار کرنا، نیز ادھار کی وجہ سے قیمت بڑھا دینا کسی صریح نص سے ثابت نہیں ہے۔ البتہ قرائن وشواہد اور استنباط واستخراج سے اس کا جواز ملتا ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ﴾

”اے ایمان والو! جب تم ایک وقت مقررہ تک ادھار کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔“ [1]

اس آیت کو آیت مداینہ کہا جاتا ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: "أَشْهَدُ أَنَّ السَّلَفَ الْمَضْمُونَ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى قَدْ أَحَلَّهُ اللهُ فِي الْكِتَابِ وَأَذِنَ فِيهِ"

”سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے مقررہ مدت تک کئے ہوئے عقد سلم کے معاملہ کو اپنی کتاب میں آیت مداینہ کی رو سے حلال قرار دے کر اس کی اجازت دی ہے۔“ [2]

اسے شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔ [3]

عقد سلم کی تعریف محدثین اور فقہا نے بایں الفاظ کی ہے: بیع اجل بعاجل نقد پیشگی قیمت دے کر آئندہ خرید کردہ چیز وصول کرنے کا عقد، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی مشتری مقررہ شرائط کی رعایت کرتے ہوئے کسی شخص کو ایک ہزار روپیہ دے اور یہ معاہدہ کرے کہ تم یہ رقم پیشگی وصول کر کے فلاں وقت مجھے اتنی گندم اس بھاؤ سے دینے کے پابند ہو اور بائع بھی مقررہ شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے رقم وصول کر کے معاہدہ کرے تو اسے عقد سلم کہا جاتا ہے، اس عقد کی ماہیت پر غور کرنے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ

[1] البقرۃ:282. [2] المستدرك للحاكم، كتاب التفسير، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مِنْ سُورَةِ الْبَقَرَةِ: 3130. [3] الارواء: 1366.

مشتری وقتی طور پر یکمشت زرسلم کی ادائیگی پر تیار ہوکر مہینوں تک خرید کردہ چیز کی وصولی کا انتظار کرتا ہے ایسا کیوں ہے؟ کیا اس میں فریق ثانی کی خیر خواہی اور ہمدردی مقصود ہے؟ ہرگز نہیں اگر ایسی بات ہوتی تو اسے قرضہ حسنہ دیتا جو مشکل کے وقت اس کے کام آتا۔ متعدد شرائط کی رعایت کر کے پیشگی رقم دے کر مہینوں تک خرید کردہ چیز کی وصولی کا انتظار کرنے سے اس کا بنیادی مقصد یہ ہوتا کہ اسے مقررہ وقت پر خرید کردہ چیز ارزاں قیمت میسر ہو کیوں کہ عقد سلم میں خرید کردہ چیز بائع کو بازار کی قیمت سے سستی پڑتی ہے۔

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ عقد سلم میں قیمت کی پیشگی ادائیگی اور خرید کردہ چیز کی تاخیر سے اس چیز کی قیمت متاثر ہوتی ہے۔ عقد سلم میں ادھار شرط ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اس پر ایک عنوان بھی قائم کیا ہے "بَابُ السَّلَمِ فِي وَزْنٍ مَعْلُومٍ" اگر اس میں ادھار نہ ہوتو عقد سلم کی حقیقت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ لہذا جب بیع اجل بعاجل میں ادھار کی وجہ سے قیمت میں تفاوت کا آنا ممنوع نہیں تو زیر نظر مسئلہ جو دراصل بیع عاجل باجل ہے۔ اس میں قیمت کا تفاوت کیوں ممنوع قرار دیا جائے۔ بلکہ نقد ادھار کی وجہ سے خرید کردہ چیز اور اس کی قیمت کا متاثر ہونا یعنی کم یا زیادہ ہونا غیر مشروع نہیں اور نہ ہی سود کے زمرے میں آتا ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ: تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِرْعُهُ مَرْهُونَةٌ عِنْدَ يَهُودِيٍّ، بِثَلَاثِينَ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ

"ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جَو کے بدلے میں رہن رکھی ہوئی تھی۔"[1]

یہودی کے اس معاملہ کا بغور جائزہ لیتے ہوئے ایک متعصب دشمن اسلام سے رسول اللہ ﷺ کا معاملہ اور اس کے بعد روزمرہ ضروریات میں کام آنے والی چیز زرہ کو رہن رکھنے کے پس پردہ واقعات کا جائزہ لینے سے جو صورت سامنے آتی ہے اس میں زیر نظر مسئلہ کے جواز پر قوی شواہد موجود ہیں۔ چنانچہ ہم

[1] صحيح البخاري، كِتَابُ الجِهَادِ وَالسِّيَرِ، بَابُ مَا قِيلَ فِي دِرْعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالقَمِيصِ فِي الحَرْبِ، حدیث:2916.

دیکھتے ہیں کہ معاشرہ میں جب کسی چیز کی مانگ زیادہ ہوتو اس کے خریدار بھی بڑھ جاتے ہیں اور جب خریدار زیادہ ہوں تو اس چیز کے نقد فروخت ہونے کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں ایسے موقع پر بائع ادھار کی نسبت نقد کو زیادہ ترجیح دیتا ہے۔ ہاں اگر اسے ادھار فروخت کرنے میں مالی منفعت زیادہ نظر آئے تو پھر اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس معاملہ کے وقت مدینہ منورہ کی معاشی حالت یہ تھی کہ غلہ کی ضرورت بہت زیادہ تھی عموماً لوگوں کو بیرونی قافلوں کے آنے کا انتظار کرنا پڑتا اور جب بھی قافلہ آنے کی خوشخبری سنائی جاتی تو فاقہ زدہ معاشرہ کی حالت بسا اوقات غیر ہو جاتی۔ چنانچہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ خطبہ جمعہ دے رہے تھے کہ قافلہ آنے کی خبر ملی خبر سنتے ہی صحابہ کرام کی کثیر تعداد رسول اللہ ﷺ کو خطبہ کی حالت میں اکیلے چھوڑ کر قافلہ کی طرف دوڑ پڑی اور اس وقت خرید وفروخت کی مارکیٹ پر یہود کا قبضہ تھا۔ وہ قافلہ سے غلہ خرید کر بعد میں اپنی مرضی کی قیمت پر اسے فروخت کرتے تھے۔

ایسی ضرورت کی اشیاء میں انہیں نقد کا گاہک بسہولت میسر تھا۔ یہ لوگ نقد کی بجائے ادھار کو ترجیح کسی شوق یا جذبہ ہمدردی کی وجہ سے نہ دیتے تھے بلکہ مالی منفعت کی خاطر ادھار کا معاملہ کرتے تھے۔ ایسے حالات میں رسول اللہ ﷺ کے ادھار کے معاملہ میں غالب گمان یہی ہے کہ نقد کی نسبت سے ادھار میں قیمت کا تفاوت لازمی طور پر اختیار کیا گیا ہوگا، مالی منفعت اور زیادہ قیمت کی وصولی کے سوا یہودی کے اس اقدام کے لیے اور کوئی دوسرا محرک نظر نہیں آتا تھا۔

آخر میں ہم شیخ عبدالعزیز ابن باز کا ایک فتوی درج کئے دیتے ہیں کیوں کہ اس فتوی سے مزید کئی پہلو روشن ہوتے ہیں۔ شیخ صاحب سے کسی نے بایں الفاظ سوال کیا۔

''بیع میں اگر نقد کی نسبت ادھار یا قسطوں پر قیمت زیادہ ہو تو اس کا حکم کیا ہے؟''

اس پر آپ نے حسب ذیل جواب دیا:

معلوم مدت والی بیع جائز ہے جبکہ اس بیع میں معتبر شرائط پائی جاتی ہوں، اس طرح قیمت کی قسطیں کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں جبکہ یہ اقساط معروف اور مدت معلوم پر مشتمل ہوں چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيۡنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٖ مُّسَمّٗى فَٱكۡتُبُوهُۚ﴾

”اے ایمان والو! جب تم ایک مقررہ مدت کے ادھار پر لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔“[1]

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَسْلَفَ فِي شَيْءٍ، فَفِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ، وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ، إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ»

”کہ جب کوئی شخص کسی چیز میں بیع سلم کرے تو ناپ تول اور مدت معین کر کے کرے۔“[2]

نیز حدیث مبارکہ میں آتا ہے:

قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: إِنَّ بَرِيرَةَ دَخَلَتْ عَلَيْهَا تَسْتَعِينُهَا فِي كِتَابَتِهَا، وَعَلَيْهَا خَمْسَةُ أَوَاقٍ نُجِّمَتْ عَلَيْهَا فِي خَمْسِ سِنِينَ

”اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بریرہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس آئیں اپنے مکاتبت کے معاملہ میں ان کی مدد حاصل کرنے کے لیے۔ بریرہ رضی اللہ عنہا کو پانچ اوقیہ چاندی پانچ سال کے اندر پانچ قسطوں میں ادا کرنی تھی۔“[3]

یہی قسطوں والی بیع ہے رسول اللہ ﷺ نے اس بیع کو معیوب خیال نہیں کیا بلکہ آپ خاموش رہے اس سے منع نہیں فرمایا اور اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ قسطوں میں قیمت نقد کے برابر ہو یا مدت کی وجہ سے زیادہ ہو۔[4]

ایک اور فتوی میں آپ نے اس روایت سے بھی اس کے جواز پر استدلال کیا:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُ أَنْ يُجَهِّزَ جَيْشًا فَنَفِدَتِ الْإِبِلُ فَأَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ فِي قِلَاصِ الصَّدَقَةِ، فَكَانَ يَأْخُذُ الْبَعِيرَ بِالْبَعِيرَيْنِ إِلَى إِبِلِ الصَّدَقَةِ

”سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ لشکر کی تیاری کریں مگر اونٹ ختم ہو گئے، تو آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ صدقہ کی اونٹنیاں آنے تک ادھار لے

[1] سورۃ البقرۃ:282۔ [2] صحيح البخاري، كتاب السلم، بَابُ السَّلَمِ فِي وَزْنٍ مَعْلُومٍ، حديث:2240۔
[3] صحيح البخاري، كتاب المكاتب، بَابُ المُكَاتِبِ، وَنُجُومِهِ فِي كُلِّ سَنَةٍ نَجْمٌ، حديث:2560۔ [4] فتاوی شیخ ابن باز، ص:142۔

لیں ۔ چنانچہ وہ صدقہ کے آنے تک دو دو اونٹوں کے بدلے ایک ایک اونٹ حاصل کر لیا کرتے تھے۔“[1]

ان قرائن وشواہد کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق کیا جاسکتا ہے اور ادھار کی اقساط بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن یہ معاملہ غلط ہے کہ اگر کسی ایک قسط میں دیر ہو جائے تو اس کی باقی اقساط ضبط کر لی جائیں یا مدت بڑھا کر ان میں مزید اضافہ کر دیا جائے ایسا کرنا سراسر زیادتی اور ظلم کے ساتھ ساتھ صریح سود ہے۔

والله تعالى أعلم وإسناد العلم إليه أسلم وصلى الله على نبيّنا محمّد وعلى آله وصحبه أجمعين

مفتیانِ عظام وعلماء کرام

#	مفتیان کرام	دستخط	#	مفتیان کرام	دستخط
1	حافظ محمد شریف حفظہ اللہ (فیصل آباد)	محمد شریف	2	عبدالعزیز نورستانی حفظہ اللہ (پشاور)	
3	مفتی بلال عبدالکریم حفظہ اللہ (گلگت)	بلال احمد	4	ثناء اللہ زاہدی حفظہ اللہ (صادق آباد)	
5	غلام مصطفی ظہیر حفظہ اللہ (سرگودھا)		6	عبدالغفار اعوان حفظہ اللہ (اوکاڑہ)	عبدالغفار
7	مفتی مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ (لاہور)		8	مفتی محمد انس مدنی حفظہ اللہ (کراچی)	
9	واصل واسطی حفظہ اللہ (کوئٹہ)	واصل واسطی	10	ڈاکٹر کنڈی حفظہ اللہ (کشمیر)	

مشرف عام	نائب رئیس	رئیس
حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ	مفتی ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ	مفتی حافظ عبدالستار الحماد حفظہ اللہ
مسعود	ارشاد الحق اثری	

---

[1] سنن أبي داود، كتاب البيوع، بَابٌ فِي الرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ، حديث:3357.